R. No. 2985/57 | Regd. No. 922

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

Telephone No.
Telegrams "ANJUMAN"

ہماری زبان

علی گڑھ - ۲۲ر فروری ۱۹۶۳ء	ایڈیٹر: آل احمد سرور	جلد ۲۲ - شمارہ ۸

مولانا آزاد کے دو مکتوب بنام چودھری خلیق الزماں

(۱)

۱۴ر مارچ ۱۹۳۸ء

صدیقی!

۲۰ر فروری سے برابر بیمار رہا اور اب تک بیمار ہوں۔ بمبئی میں جو آپریشن ہوا تھا، اس کا زخم اب تک بھرا نہیں۔ زخم کا اندمال کوئی خوبی کی بات نہیں بشرطیکہ زخم دل کا ہو۔ یہ دل کا نہیں مسوڑے کا زخم ہے۔

ہری پورہ میں مسٹر شعیب گاندھی جی سے ملنے آئے تھے اور انھوں نے گاندھی جی سے آپ کی نسبت کچھ تذکرہ کیا تھا۔ گاندھی جی نے ان سے کہا تھا کہ مجھ سے مل لیں، لیکن ملاقات نہ ہو سکی۔ کیوں نہیں سیدھے صاف صاف کھول کر بتلاتے بات کیا ہے؟ جو بات ایک لمحہ میں ہو سکتی ہے اس کے لئے پیچ و خم کی راہیں کیوں اختیار کی جائیں؟ کیا آپ چاہتے ہیں گاندھی جی آپ سے گفتگو کریں؟ آپ کو بلائیں؟ اچھی بات ہے نہایت محدود موقع کلکتہ کا ہوگا۔ ۱۶ر مارچ کو یہاں آ رہے ہیں ۲۳ تک ٹھہریں گے۔ آپ صدیقی سے ملنے کے لئے حسب معمول قدیم آ جائیے۔ گاندھی جی آپ کو بلا لیں گے۔

اگر مقصود جواہر لال یا سبھاش سے ملنا ہو تو ویسا لکھو اور پیچ و خم کی باتیں دل سے نکال دو۔ والسلام

ابوالکلام

(۲)

کلکتہ

۲۰ر مارچ ۱۹۳۸ء

صدیقی العزیز! ایک خط لکھ چکا ہوں، کل آپ کا خط گاندھی جی کے نام دیکھا۔ مہادیو نے جواب بھیج دیا ہے یہ بہتر ہوگا کہ آپ کلکتہ آ جائیں۔ آپ کے ملنے کے یہ معنی نہیں ہیں اور نہ ہونے چاہئیں کہ آپ اس سلسلۂ خط و کتابت میں کوئی رکاوٹ ڈالنی چاہتے ہیں جو مسٹر جناح سے جوڑی ہے بلکہ اپنی جگہ اسی سلسلے کی ایک چیز ہے۔ اور اصل مقصود اصلاح حال ہے۔ والسلام

ابوالکلام

(ماخوذ از پاتھ وے ٹو پاکستان مولفہ چودھری خلیق الزماں)

لہ عبدالرحمٰن صدیقی مراد ہیں، جو کلکتہ ہی میں رہتے تھے (ادارہ)

سید فضل المتین

مراد علی ہوشیار (بیمار)

"ہماری زبان" بابت یکم فروری ۱۹۹۳ء میں تمکین سرمدی صاحب کا مضمون "دلاجیے ایک شاگرد مراد علی بیمار کی دو غزلیں" شائع ہوا ہے۔ مراد علی بیمار کے متعلق کسی قدر تفصیلی معلومات جو ان کے حالات زندگی، رنگ طبیعت اور تصنیفات پر خاصی روشنی ڈالتی ہیں، "تذکرہ شعرائے اجمیر" (غیر مطبوعہ) مرتبہ خواجہ معنی اجمیری سے اخذ کر کے ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں۔

(ف، م)

مراد علی ہوشیار۔ بیمار، عہد جوانی میں اجمیر آئے "یادگار مراد علی" میں آمد اجمیر کی تاریخ لکھتے ہیں:-

"۲۰ جولائی ۱۸۸۶ء کو دن کے بارہ بجے ہم سواری شتر پر شیخا وانی کی ہوا (لوئیں) کھاتے ہوئے دہلی کے راستہ سے داخل اجمیر ہوئے۔"

اجمیر پہنچ کر کچھ عرصہ بعد "راجپوتانہ گزٹ" نامی ایک ہفتہ وار اخبار کی ایڈیٹری شروع کی اور مطبع "چراغ راجستھان" قائم کیا۔ اسی زمانہ میں "انجمن حامی اسلام" اجمیر نے بھی ایک رسالہ "رہنما" نکالا اور اس کی ایڈیٹری بھی مولوی صاحب ہی کے ذمہ تفویض ہوئی۔

مولوی صاحب کی تیغ زبان کے حربوں سے اجمیر کا شاید ہی کوئی نامور یا کوئی معزز فرد ذمہ نہ بچا ہو۔ ورنہ اس ناوک انداز طعن و تشنیع نے اپنی جانب سے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی بلکہ بعض بعض لوگوں کو تہذیب کی آنکھیں بند کر کے دریدہ دہنی کے ساتھ وہ بے نقط صلواتیں سنائی ہیں کہ عیاذاً باللہ۔

مولوی صاحب کا طرز تحریر ہمیشہ شوخی، شرارت اور تمسخر کا انداز لئے ہوتا تھا۔ "انجمن حامی اسلام" اجمیر کے ترجمان رسالہ "رہنما" بابت جولائی ۱۸۸۹ء میں بحیثیت ایڈیٹر رسالہ اپنے ایک مضمون کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

"ویدک ویجے پتر کے نمبر ۱ بابت ماہ اگست میں بجائے اس کے کہ ہمارے مضامین مندرجہ رسالہ انجمن حامی اسلام اجمیر کا معقول جواب بدلائل علمی لکھا جاتا وہ پھکڑ بازی کی ہے کہ واہ جی واہ اساری علمی لیاقت اور متانت کی کھول کر رکھ دی۔ کیوں نہ ہو ہم نے تو پہلے ہی ان کی صورت کو دیکھ کر کہہ دیا تھا۔

رکھا نام ویدک ویجے ہوشیار
ہوا ہے گستاخ جا بجا وہ
اس حماقت کو دیکھیے کہ رسالہ نکالا تو اردو میں اور نام ہے گا
رکھا سنسکرت سے ملتی جلتی بھاشا میں (واہ رے تعصب)

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انجان لوگ (نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو بھی) ویدک ویجے پتر کو دیجے پتر پڑھتے ہیں۔ پتھر پڑیں اس عقل پر۔ ایسے ہی دیوناگری کے عاشق زار اور اردو سے عار رکھتے تھے تو اپنے پتر کو اسی جہاد شاہی زبان میں نکالا ہوتا جو کہ گنگو پڑھتی دفعہ چلنے میں پتھریلی سڑک کا مزہ کھاتی ہے۔ یہ تو ایسی حماقت ہے۔ جیسے کوئی رسالہ تو لکھے اردو میں اور دھر گھسیٹے سنسکرت کے الفاظ۔"

(رسالہ "رہنما" بابت جولائی ۱۸۸۹ء مطبوعہ چراغ راجستھان اجمیر)

دیوان۔ عہد جوانی میں دیوان مرتب ہو چکا تھا مگر چوری گیا۔ جس کے متعلق "یادگار مراد علی" میں خود لکھتے ہیں:-

"ایک حضرت میرے مطبع میں کاپی نویس کے کام پر بمشاہرہ عہ ماہوار پر ملازم ہوئے۔ شعر و سخن کا بہت کچھ ذوق و شوق رکھتے تھے، مگر آئے کہاں سے۔ بندہ کا دیوان چرا کر غائب غلا کر بیٹھے۔ ہنوز دیوان چھپا نہ تھا۔ لہٰذا تمام غزلیات اپنے تخلص سے بدل کر لگے شیخی بگھارنے۔ غزل پڑھ کر "شگفتہ" ہوتے تھے اور میں افسوس کرتا تھا۔

غافل تھا میں ہوشیار جوانی میں وگرنہ
اجمیر سے چوری مرا دیوان چلا جائے

مصحفی مرحوم نے بھی اپنے دیوان کے گم ہو جانے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

اے مصحفی پورب میں نہیں میں ہوا شاعر
دلی میں بھی چوری مرا دیوان گیا تھا

ہوشیار مرحوم نے اپنی عبارت میں اشارۃً دیوان چرانے والے کے نام کی صراحت کر دی ہے چنانچہ "شگفتہ" کو جلی قلم سے لکھا ہے۔ ایک جگہ مولوی صاحب نے اپنی تالیف "بوستان خواجہ"[1] (سوانح عمری خواجہ اجمیر) کی تمہید میں منشی محمد اکبر جہاں مؤلف "احسن السیر"[2] کو منشی محمد اکبر جہاں "شگفتہ" لکھا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ "شگفتہ" وہی ہوں جو بحیثیت کاپی نویس بمشاہرہ دس روپے ملازم ہوئے اور "بندہ (ہوشیار) کا دیوان چرا کر غائب غلا کر بیٹھے۔"

آخر عمر میں مراد علی ہوشیار ہمیشہ بیمار رہنے لگے تھے۔ اور اسی رعایت سے بجائے ہوشیار پھر بیمار تخلص اختیار کیا۔ ۱۳۱۲ھ میں انتقال کیا اور "کوہ مدار"[3] کے دامن میں دفن ہوئے۔ فرحتی[4] نے تاریخ وفات کہی۔

ہزار و سہ صد و ہژدہ گذشتہ از ہجرت
کہ کرد عزم حضوری سید الابرار

(باقی صفحہ پر)

[1] تذکرہ شعرائے اجمیر جلد ہی سلسلۂ مطبوعات "بزم معنی" کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع کیا جائے گا۔ (متین)

[1] بوستان خواجہ۔ یہ کتاب "معینی کتب خانہ" میں موجود ہے۔ [2] "احسن السیر" یہ کتاب سوانح خواجہ بزرگ اور حالات اجمیر پر مشتمل ہے "معینی کتب خانہ" میں موجود ہے۔ [3] کوہ مدار۔ اجمیر میں اس پہاڑ کا نام ہے جہاں عام روایت کے مطابق حضرت شاہ مدار چلہ کش رہے ہیں۔ [4] فرحتی۔ یہ غالباً اجمیر کے کوئی مقامی شاعر ہوں گے۔ (از حاشیہ فضل المتین)

ہماری زبان

۲۲ فروری ۱۹۶۳ء

مولانا آزاد کی پانچویں برسی

آج مولانا آزاد کی پانچویں برسی ہے۔ مولانا کی یاد ہندوستان کے ایک جلیل القدر فرزند، قوم کے رہنما، ادیبوں کے سردار، عالموں کے سرتاج، خطیبوں میں بے مثل خطیب، انشا پردازوں میں مایۂ ناز انشا پرداز، صحافیوں میں سرخیل صحافی، مدبّروں میں بڑی سوجھ بوجھ رکھنے والے کی یاد ہے۔ یہ اُس شخص کی یاد ہے جو اپنے ہندوستانی ہونے پر بھی فخر کرتا تھا اور اپنے مسلمان ہونے پر بھی اور دونوں کی دولت کا ایک ذرّہ بھی اپنے ہاتھ سے کھونے کو تیار نہ تھا۔ یہ اُس سپاہی کی یاد ہے جو اپنے مشن کے لئے ساری عمر لڑتا رہا، جس نے اپنوں کی مخالفت اور غیروں کی حقارت کے طعنے برابر سہے، مگر اپنے راستے پر استقلال اور پامردی سے چلتا گیا۔ یہ اُس عاشق کی یاد ہے جس نے رات کے اندھیرے میں اپنے لہو سے چراغ جلائے اور صبح کی بزم میں نسیم سحری کی طرح پھول کھلائے۔ ضرورت ہے کہ مولانا کی مثال ہر وقت ہمارے سامنے رہے، اُن کی آواز ہمارے کانوں میں گونجتی رہے، اُن کے نفس کی گرمی سے ہم اپنے دل کے آتش کدے روشن رکھیں۔ اُن کی تعلیم کو حرزِ جاں بنائیں، اُن کی زندگی سے سبق لیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چلیں۔

مولانا آزاد کا کارنامہ یہ ہے کہ وہ ایک پُرانی فضا سے اُٹھے اور نئی دُنیا پر چھا گئے۔ اُنھوں نے ثابت کر دیا کہ بیدار ذہن، دیکھنے والے پُرانے ہوتے ہوئے نئے بھی ہو سکتے ہیں۔ قدیم علوم کے ماحول میں پرورش پاتے ہوئے اس مردِ مجاہد نے نئی زندگی اور نئے علوم کو اپنایا۔ اپنے علم سے انھوں نے ہندوستان کی تاریک گزرگاہوں کو روشن کیا، اپنی فکرِ روشن سے اُنھوں نے حال کی بھول بھلیّاں میں راستہ نکالا۔ اُنھوں نے کنویں کے مینڈکوں کو سمندر کی وسعت سے آشنا کیا، گھر کی چار دیواری میں قید روحوں کو کائنات کی وسعت کا احساس دلایا۔ وہ قدیم علوم کی پختگی، اُس کے رچاؤ، اُس کی مضبوطی پر بھی زور دیتے رہے اور نئے علوم کی اہمیت اور افادیت پر بھی اصرار کرتے رہے۔

اُنھوں نے مذہب میں روشن خیالی اور رواداری پر زور دیا، سیاست میں اُنھوں نے قومیت کی شاہراہ اختیار کی، ادب کو اُنھوں نے علم کا وزن و وقار دیا۔ اُردو کو عربی کے سوز و دروں اور عجم کے حسنِ طبیعت سے روشناس کیا۔

اُن کا رام گڑھ کا خطبہ، دہلی کی جامع مسجد میں تقریر ایسی چیزیں ہیں جن سے قوم کی تقدیر بنی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اُن کی تقریروں میں جادو ہوتا تھا۔ جادو تو معمولی چیز ہے۔ اُن کے الفاظ کبھی بجلی بن کر کڑکتے تھے، کبھی پھول بن کر مسکراتے تھے، کبھی آنسو بن کر بہائے جاتے تھے۔ ان الفاظ میں اُن کے عقیدے کی لو، اُن کی فکر کی گہرائی اُن کی شخصیت کی آن بان، اس طرح جلوہ گر ہوتی تھی کہ ان کے سُننے والے کچھ کے کچھ ہو جاتے تھے۔ جس نے تنگ نظری اور تعصّب کو چھوڑ کر مولانا کی بات سُنی وہ اُن کا ہو گیا۔ اور جو اُن کا ہو گیا وہ کبھی کسی اور کا نہ ہو سکا۔

ہندوستانی قومیت پر آج نازک وقت ہے۔ آزادی کے پندرہ سال بعد چین کے جارحانہ حملے نے ہمیں خاصی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جن قوموں کا اپنے نصب العین پر پختہ عقیدہ ہوتا ہے اور جو اپنی آزادی کی حفاظت کر سکتی ہیں، وہ ہر آزمائش سے اور مضبوط ہو کر نکلتی ہیں۔ اور جن کا نہ کوئی نصب العین ہے نہ آدرش، نہ جن میں اتحاد ہے نہ عمل، اُن قوموں کا خدا ہی حافظ ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ایسے نازک وقت میں اپنے رہنماؤں کو یاد کریں۔ مشکل وقت اُن پر بھی آئے تھے، جب ذرا سی غلطی سے بڑا نقصان ہو سکتا تھا، مگر اُنھیں اپنے نصب العین پر بھروسہ تھا، وہ اُس کی خاطر ہر قربانی کے لئے تیار تھے۔ ہم نے جمہوریت کا جو ڈھانچہ بنایا ہے، غیر مذہبی ریاست کا جو ڈول ڈالا ہے، سوشلزم کی منزل کی طرف جو قدم بڑھائے ہیں، امن پسندی اور ناطرفداری کا جو طریقہ اپنایا ہے، وہ ہمارے لئے اور دُنیا کے لئے باعثِ رحمت ہو سکتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اس کی خاطر ہر خطرے کا مقابلہ کریں۔ گاندھی جی اور مولانا آزاد کی روحیں ہم سے اپنی منزل کی طرف بڑھنے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ ان کی یاد سے ہم اپنے سفر کے لئے تازہ حوصلہ اور نیا ولولہ لے سکتے ہیں اور ملک و قوم کی مضبوطی اور ترقی کے راستے سے ہر کانٹا دور کر سکتے ہیں۔

دہلی میں یومِ غالب

۱۸ فروری کو انجمن ترقی اُردو شاخ دہلی کے زیرِ اہتمام، نظام الدین میں مزارِ غالب پر یومِ غالب منایا گیا۔ نورالدین صاحب میئر دہلی کارپوریشن نے جلسے کا افتتاح کیا، اور پنڈت ہردے ناتھ کنزرو صدر انجمن ترقی اُردو (ہند) نے صدارت کے فرائض انجام دئے۔

نورالدین صاحب نے اپنی افتتاحی تقریر میں انجمن

ترقی اُردو کی شاخ دہلی کے اس اقدام کو سراہا کہ وہ ہر سال یوم غالب منا کر غالب کی یاد تازہ کرتی ہے۔ پنڈت کنزرو نے اپنی صدارتی تقریر میں غالب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ مقامی شاعروں نے غالب کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ شاعروں اور ادیبوں کے علاوہ ممبران پارلیمنٹ نے بھی جلسے میں شرکت کی۔

انجمن ترقی اُردو حیدرآباد

انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کے اراکین کا جلسۂ عام ۹ر فروری ۱۹۶۳ء کو صبح دس بجے اُردو ہال میں نواب مہدی جنگ بہادر کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں حبیب الرحمن صاحب معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو نے انجمن کے کاموں کی رپورٹ اور تنقیح شدہ حسابات پیش کئے۔ آخر میں ۶۳-۱۹۶۴ء دو سال کے لئے حسب ذیل انتخابات متفقہ طور پر عمل میں آئے۔

نواب میر احمد علی خاں صاحب صدر، پروفیسر ہارون خاں شروانی صاحب نائب صدر، حبیب الرحمن صاحب خازن و معتمد، سید عابد علی خاں صاحب شریک معتمد۔

اراکین:۔

رائے جانکی پرشاد صاحب، سید محمد یونس صاحب، ڈاکٹر سید عبد المنان صاحب، زینت ساجدہ صاحبہ، ڈی۔ راما نج راؤ صاحب، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ صاحب، پروفیسر مسعود حسین خاں صاحب، یدھ ویر صاحب، رضیہ محمد مرزا صاحبہ، سری نواس لاہوٹی صاحب۔

محبوب نگر، کڑپہ، کریم نگر کی شاخوں سے ایک ایک نمائندہ مجلس عاملہ میں لیا جائے گا۔

بنارس میں یوم غالب

بنارس ۔ ۱۵ر فروری کو غالب اکاڈمی کی طرف سے شاندار طور پر یوم غالب منایا گیا۔ مقبول احمد صاحب لاری نے صدارت فرمائی اور شری سری پرکاش جی سابق گورنر مہاراشٹر نے افتتاح کیا۔ گل پوشی کے بعد اکاڈمی کے صدر مولانا خیر بہوروی نے صدر مقبول احمد صاحب کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا جس کے جواب میں لاری صاحب نے اکاڈمی کو (۵۰۰) پانچ سو روپے مرحمت فرمائے۔ لسانیات کے پروفیسر اپورب چندر بھٹاچاریہ ہندو یونیورسٹی، سردار سولاک سنگھ، سردار مہلگ سنگھ اور دیوی نرائن وکیل نے غالب کی شخصیت اور اس کے فن اور شاعرانہ خصوصیات پر اظہار خیال کیا۔ شعرائے کرام اور مختلف اداروں نے خراج عقیدت نذر کیا۔

صدر جلسہ کا مطبوعہ خطبہ اور سری پرکاش جی کی افتتاحی تقریر کا پُرجوش تالیوں سے خیر مقدم کیا گیا۔ شہر کے ممتاز ترین اصحاب اخبار نویس اور مختلف اداروں کے نمائندگان کی شرکت نے جلسے کی افادیت اور اہمیت بڑھادی تھی۔ اس موقع پر ایم بھارتی بنارسی کی بنائی ہوئی غالب کے چند اشعار کی تصویروں کی نمائش بھی کی گئی۔

فصاحت حسین رضوی صدر مجلس استقبالیہ نے مہمانوں کا خیر مقدم اور شکریہ ادا کیا۔

(محمد ظہیر سکریٹری)

عادل منصوری کا گجراتی دیوان: وڑاں ک

اُردو گجراتی کے نوجوان شاعر عادل منصوری کی گجراتی غزلوں کا انتخاب بہت جلد ”انا گتا پرکاش ۲۲۔ڈھالگرواڑ احمدآباد“ علا کی جانب سے شائع ہو رہا ہے۔

مدراس میں اُردو ڈبیٹ

آج سے ۶ سال بیشتر کالجوں کے طلبہ میں اُردو تقریر کا ذوق پیدا کرنے کے لئے اے۔ جے۔ اُردو سمینار (مدراس) کے تحت ایک تقریری مقابلے کا آغاز کیا گیا، جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے کارآمد ثابت ہوا ہے۔ اس سال تین سالانہ ڈبیٹ میں جو ۴ر جنوری ۱۹۶۳ء کو ایس۔ آئی۔ ای۔ ٹی کالج میں منعقد ہوا، ذیل کے کالجوں اور یونیورسٹیوں نے حصہ لیا۔

کالجوں یا یونیورسٹیوں کے نام

اے۔ سی۔ کالج آف ٹکنالوجی (مدراس)، ایس۔ آئی۔ ای۔ ٹی۔ کالج (مدراس)، نیو کالج (مدراس)، اے۔ پی۔ ایس۔ کالج (بنگلور)، مہاراجہ کالج (میسور)، گورنمنٹ آرٹس کالج (مدراس)، عثمانیہ کالج (کرنول)، سنٹرل کالج (بنگلور)، گورنمنٹ آرٹس کالج (کڑپہ)، ایتھراج کالج (مدراس)، اسلامیہ کالج (وانمباڑی)، جمال محمد کالج (ترچناپلی)، دہلی یونیورسٹی (دہلی)، مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ)

مباحثہ کا موضوع تھا ”انسانیت کی بقا صرف اس میں ہے کہ فوجی طاقت کو انتہا پر پہنچا دیں۔“

ساہتیہ سنگم کا اعزازی جلسہ

رائے بریلی ساہتیہ سنگم (اُردو اور ہندی کے ادیبوں کی انجمن) کی طرف سے ایک ادبی جلسہ جناب رام لال کی صدارت میں ہوا۔ ذکی رضا نے مہمان ادیبوں کا حاضرین سے تعارف کراتے ہوئے ساہتیہ سنگم کی ادبی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد رام لال، احمد جمال پاشا، عابد سہیل اور ستیش بترا نے افسانے سُنائے اور مسعود اختر جمال، حسن شہیر اور ساغر مہدی نے اپنا کلام پیش کیا۔

(شاہد اختر جمال، کنوینر ساہتیہ سنگم)

وحید مرزا

اُٹھو ہندوستاں والو!

اُٹھو اپنے وطن کی سرحدوں پر آ گیا دشمن
اُٹھو اپنے چمن کی اب حدوں پر آ گیا دشمن
اُٹھو اب اپنے گھر کی چوکھٹوں پر آ گیا دشمن
فصیلِ کشورِ ہندوستاں نے ہم کو للکارا!

اُٹھو ہندوستاں والو! سرِ دشمن قلم کردو
عروسِ ہند کے قدموں پہ سرِ دشمن کا خم کردو
نئے انداز سے افسانۂ ہستی رقم کردو
وطن کی سرحدوں کے پاسباں نے ہم کو للکارا!

ہمالہ کی جبیں پر خون کا ٹیکا لگا دینا
وطن کی سرحدوں کے پار دشمن کو بھگا دینا
ذرا ہندوستاں کو خوابِ غفلت سے جگا دینا
گرج کر پھر امیرِ کارواں نے ہم کو للکارا

زر و مال و جواہر مانگتا ہے پھر وطن اپنا
چمن والو! لہو اب مانگتا ہے پھر چمن اپنا
لہو سے پھر جلانا ہے چراغِ انجمن اپنا
ہر اک گوشے سے پھر ہندوستاں نے ہم کو للکارا

نہ ہندو اور مسلماں کی نہ عیسائی کی حاجت ہے
مرے ہندوستاں کو اب سپاہی کی ضرورت ہے
لہو کے رنگ کی اب روشنائی کی ضرورت ہے
کسی بم توڑتے کڑیل جواں نے ہم کو للکارا

کوئی جے چند نہ ہو پیدا کوئی جعفر نہ ہو پیدا
وطن کی آستیں میں پھر کوئی خنجر نہ ہو پیدا
رگِ جانِ وطن پر پھر کوئی نشتر نہ ہو پیدا
صدائے جرس و ناقوس و اذاں نے ہم کو للکارا

دانش فرازی

جنازہ

(ایک عزیز کی موت پر)

ذرا سبک سبک چلو
سبک چلو کہ دوش پر ہے وہ جنازہ گراں
فصیلِ شہرِ آرزو کا ایک آخری نشاں
کہ جس کے پیچھے آ رہا ہے حسرتوں کا کارواں
سبک سبک رواں دواں
ذرا سبک سبک چلو۔

(۲)

یہ رہروِ حیات ہے جو تھک کے چور ہو گیا
اجل کی ٹھنڈی چھاؤں میں سکوں ملا تو سو گیا
نگر دلوں کی وادیوں میں تخمِ درد بو گیا
سنو وہ دھیمی سسکیاں
ذرا سبک سبک چلو۔

(۳)

فغاں بہ لب ہیں کتنے خوابِ بے قرار یاس میں
چراغ کتنے منتظر ہیں روشنی کی آس میں
نہ جانے کتنی خواہشیں ہیں ماتمی لباس میں
فضا بھی ہے دھواں دھواں
ذرا سبک سبک چلو۔

(۴)

سبک چلو کہ بڑھ رہی ہے ظلمتِ شبِ الم
بچھا ہوا ہے دامِ مرگ راہ میں قدم قدم
کسے خبر کہ ٹوٹ جائے چلتے چلتے کس کا دم
کھلے نہ پھر کبھی زباں
ذرا سبک سبک چلو۔

(۵)

نہیں یہ غم کہ دفعتاً کسی نے آنکھ بند کی
کہ مر چکے ہیں کتنے لوگ باوجود زندگی
کسے خبر کہ دل کی لاش کتنی بار اٹھ چکی
سناؤں گا یہ داستاں
ذرا سبک سبک چلو۔

غزلیں

باقر مہدی

یہی نہیں کہ کہیں آج روشنی نہ رہی — بدل گیا وہ زمانہ کہ تیرگی نہ رہی
حقیقتوں کا طلسمی حصار ٹوٹ گیا — تصورات کے خوابوں میں دلکشی نہ رہی
کہاں گئے جو نئے خضر بن کے آئے تھے — کہ اب کسی کو کوئی فکرِ رہبری نہ رہی
جہنمِ غمِ امروز ہے نئی دنیا — کوئی تلاش کرے کیا کہیں خوشی نہ رہی
وہ تیز دھوپ تھی سایہ بھی ساتھ چھوڑ گیا — وہ رات آئی کہ یادوں کی چاندنی نہ رہی
بنا کے دیکھ چکے کتنی انجمن باقرؔ — کہ بے کسی نہ گئی اور بے بسی نہ رہی

ایس۔ ڈی۔ بخشی

آج رندوں پہ لطفِ عام نہیں — [illegible] نہیں کہ جام نہیں
آج کیا ہو گئی خطا ہم سے — آج کوئی دعا سلام نہیں
تشنہ لب جائیں گے نہ ہم ہرگز — مے تو ہے گر سبو و جام نہیں
باغباں موسمِ بہار ہیں کیوں — صحنِ گلشن میں گل کا نام نہیں

سحر کاظمی

ہر اک مشکل کو سہل اور سہل کو مشکل سمجھتے ہیں
ہمارے پاس دل ہے، ہم مذاقِ دل سمجھتے ہیں
ہمارے عزمِ محکم کا یہ معیارِ بلندی ہے
جسے طوفان سب کہتے ہیں، ہم ساحل سمجھتے ہیں
غمِ دنیا، دردِ الم، آہ و فغاں، راہِ محبت میں
یہ وہ دولت ہیں جن کو ہم متاعِ دل سمجھتے ہیں

بقیہ

مُراد علی ہوشیار (بیان)

ان کے انتقال کے بعد ان کی بیوہ سوتی بیگم کی نگرانی اور شی عصمت علی اکبر آبادی کی ادارت میں راجپوتانہ گزٹ ایک عرصہ تک جاری رہا۔

بوستان خواجہ۔ ایک جز کا رسالہ حضرت خواجہ اجمیر کے حالات میں لکھا۔ جس کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہوشیار صاحب سید کرم علی صاحب کے بیٹے اور مقام کھیوڑہ ضلع ... علاقہ بنگال کے رہنے والے تھے۔

یادگار مراد علی، کے نام سے ایک کتاب اپنی یادگار چھوڑی جس میں ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۸۹۳ء تک کے حالات راجپوتانہ درج ہیں اور چونکہ یہ بیس ایکٹ اس وقت مرتب نہیں ہوا تھا اس لئے عبارت کتاب کا اکثر حصہ شوخیوں سے بھرا ہوا ہے اور بعض حالات پر نفس الامری کا جامہ بھی شعر و شرارت کا لباس نظر آتا ہے۔

یادگار مراد علی میں جو اشعار درج کئے گئے ہیں ان میں سے بیش تر اشعار حضرت جعفر زٹلی کی زٹلیات سے کسی طرح کم نہیں بلکہ بعض اشعار تو اس قدر عریاں ہیں کہ ان کے مطالعہ سے شوخ چشم بھی محجوب و شرمسار نظر آتی ہے۔ اس لئے اس قسم کا کلام سنجیدگی نظر انداز کیا جاتا ہے۔

انتخاب کلام

میں تو مفلس بن گیا اب ڈھونڈ لو تم دوسرا
کیا کوئی مجھ سا جہاں میں ... ملتا نہیں
اس تامل کر تو دیکھو لے کے دل چپ ہو رہے
میں نے مانگا تو کہا "کھو گیا" "ملتا نہیں"
آزمایا خوب ہی دنیا کو ہم نے ہوشیار
مطلبی ملتے ہیں کوئی باوفا ملتا نہیں

اک روز ڈرتے ڈرتے کہا میں نے جان من
میں تو تمہارا بندۂ بے دام ہو گیا
بولے وہ مسکرا کے کہ کر ہوش کی دوا
اے ہوشیار کیا تمہیں سرسام ہو گیا

خوب دنیا را اگر ... دیم ما | فکر عقبےٰ را بھلا ... دیم ما
... کورٹ چیفیں آباد شد | منزل ... روز جا ... دیم ما

ساکنان عدالت لگ رہی ہے لاؤ لاؤ | تھیلیاں ہر روز لا ... دیم ما
در سو مات عدالت سیکڑوں | چھپتے شتابی را گنوا ... دیم ما

از غزل ہوشیار بے آب حیات
سوز قلب خود بہا ... دیم ما

کسی کس سے الفت مدامی کریں گے
الگ ڈر کی دم نام لیا می کریں گے
ابھی آپ کی ہم غلامی کریں گے (؟)
کبھی اس میں ہرگز نہ خامی کریں گے
بنایا تھا مجنوں کو لیلیٰ نے پاگل
مجھے موڑ کر آپ شامی کریں گے
چڑھایا ہے غیروں نے لاسر یاں کو
وہ کیوں ہم سے اب ہم کلامی کریں گے
گیا ہوشیار ان کے در پہ ہے ناحق
بھلا کب وہ ملنے کی ہامی کریں گے

اہل زبان ہامی بھرنا بولتے ہیں۔ ہامی کرنا نہیں۔ امیر مینائی مرحوم کا شعر ہے:۔

سوال وصل کرتا ہوں تو چین ان سے کہتا ہے
کہیں ہامی نہ بھر لینا ابھی ناکتخدا تم ہو

۱۸۹۶ء میں پشکر کے میلے میں جب زور کا ہیضہ ہوا تو ادھر بھی قلم کی روانی نے اپنا زور دکھایا۔

ہیضہ مائی نے کری پکار | ہے پر پشکر ہے کرتار
بھوکا تیلی ہے مارو مار | اب تو ہوں میں بہت لاچار

رام نام ست ہے ست بولو گت ہے

مرض پھیلنے کے اسباب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

جی جلی ہنڈی میں دال پکائیں | کوڑا کرکٹ خوب ملائیں
باسی سالن روز کھلائیں | جس میں کیڑے جاگیں اور تار

رام نام ست ہے ست بولو گت ہے

علیٰ ہذالقیاس اٹھائیس بندوں میں پوری کیفیت بیان کر دی ہے۔ آخر عمر میں کسی قدر سنجیدہ کلام بھی کہا مگر در حقیقت ان کا رنگ طبیعت وہی تھا جو مندرجہ بالا اشعار سے ظاہر ہے۔

لے راجپوتانہ گزٹ کے دریب قریب مکمل فائل دوسینی کتب خانہ میں موجود ہیں۔
مے یادگار مراد علی۔ یہ کتاب بھی حسینی کتب خانہ میں موجود ہے۔
(از قلم حاشیہ سید فضل المتین)

لے پشکر۔ اجمیر سے کچھ دور پر ایک بڑا تیرتھ استھان ہے جہاں شان کی تاریخوں میں ایک بہت بڑا میلہ لگتا ہے اور کثرت سے لوگ آتے ہیں۔ (سید فضل المتین)

شانتی رنجن بھٹاچاریہ

بنگالی ڈاکٹروں کی اردو میڈیکل تصانیف

یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ کئی ایسے بنگالی ڈاکٹر گزرے ہیں جنھوں نے ہندوستان کے کونے کونے میں جا کر بحیثیت ڈاکٹر کے نام پیدا کیا اور اردو زبان میں میڈیکل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس مضمون میں مختصر طور پر ایسے ہی چند نامور ڈاکٹروں اور ان کی طبی کتابوں کا تذکرہ کرتا ہوں:-

امولیا رتن باسک

امولیا رتن باسک نے آگرے میں سکونت اختیار کی تھی اور وہاں کے سرکاری ہسپتال کے اسسٹنٹ سرجن تھے۔ آپ کی اعلیٰ طبی خدمات ہی کی بنا پر ۲۶ رجون ۱۹۰۳ء کو حکومت ہند نے انھیں رائے بہادر کا خطاب دیا۔ افسوس ہے کہ آپ کے سلسلے میں مزید معلومات نہ ہو سکیں۔ آپ کی اردو تصانیف میں ایک کتاب "اصول علم جراحی" ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن کب شائع ہوا؟ یہ معلوم نہیں، لیکن دوسرا ایڈیشن آگرے سے ۱۹۰۹ء میں چھپا، جو تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی ایک جلد برٹش میوزیم لائبریری لندن میں ہے۔

برج لال گھوش

ڈاکٹر برج لال گھوش کے والد محترم لاہور کے "رنگ محل ہائی اسکول" کے مدرس تھے۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے دنوں میں آپ نے لاہور اور راولپنڈی کے ہزاروں انسانوں کی جان بچائی۔ چالیس سال تک مدرسی کے بعد [illegible]ء میں لاہور ہی میں انتقال ہوا۔

برج لال گھوش مشہور و مقبول ڈاکٹر ہی نہیں بلکہ اردو کے اچھے عالم بھی تھے۔ آپ نے علم طب پر کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں مجھے صرف ذیل کی تصانیف کا علم ہو سکا ہے۔

(الف) "علم و عمل فن جراحی" یہ ایک ہزار سے زیادہ صفحات کی کتاب ہے۔ پہلی بار لاہور سے ۱۸۸۶ء میں شائع ہوئی اور ۱۸۹۲ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن نکلا۔

(ب) "رہنمائے جراح" یہ بھی لاہور ہی سے ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی اس کے صفحات دو سو سے زائد ہیں۔

مندرجہ بالا تصانیف انڈیا آفس اور برٹش میوزیم میں محفوظ ہیں۔

بھولا ناتھ بسواس

شوبھا بازار کلکتہ کے ایک باشندے شری رام چندر بسواس کے سب سے چھوٹے فرزند بھولا ناتھ تھے۔ ڈاکٹر ڈف کے فری چرچ انسٹی ٹیوٹ میں ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۸۴۶ء میں آپ کلکتہ میڈیکل کالج میں داخل ہوئے۔ Physiology اور Botany میں چاندی کے تمغے اور Anatomy میں گولڈ میڈل پاکر ۱۸۵۰ء میں آپ نے جی۔ ایم۔ سی۔ بی کی ڈگری حاصل

اس کے بعد اجمیر میں میڈیکل افسر مقرر ہوئے۔ اجمیر میں پانچ سالہ ملازمت کے بعد جودھ پور میں تین سال رہے اور پھر [illegible] (راجپوتانہ) کے میڈیکل افسر ہو گئے۔ آپ نے ریاست مذکور میں کئی ہسپتال قائم کیے۔ ۱۸۵۸ء میں آگرہ میڈیکل اسکول کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ آپ کی خدمات کی بنا پر آگرہ دربار کے وقت گورنر جنرل لارڈ لارنس نے انھیں نہایت عمدہ سونے کی گھڑی پیش کی۔ یکم جولائی [illegible] میں آپ کو رائے بہادر کا خطاب عطا کیا گیا۔ دوسرے سال آپ ریاست راجپوتانہ کے چیف میڈیکل افسر ہوئے اور [illegible] میں ریٹائر ہو گئے۔ لیکن مہاراجہ جے پور [illegible] شاگرد تھے، انھیں روک لیا اس لیے وہ واپس بنگال لوٹ نہیں آئے اور ۱۸۹۳ء میں آپ کا وہیں انتقال ہوا۔

اُن دنوں جب کہ آپ آگرہ میڈیکل اسکول کے پروفیسر تھے آپ نے طلبہ کے لیے کئی طبی کتابیں اردو میں تصنیف کیں۔

پارس ناتھ چٹرجی

ڈاکٹر پارس ناتھ چٹرجی ایل۔ ایم۔ [illegible] بانکی پور (بہار) میں مقیم تھے اور اسسٹنٹ سرجن تھے۔ آپ نے [illegible] اردو میں کئی کتابیں لکھی ہیں جو کافی مقبول ہوئیں اور جس کی وجہ سے ان تصانیف کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ حسب ذیل دو کتابیں میری نظر سے گزری ہیں:-

(الف) "رسالہ علاج ہومیوپیتھی" اس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۸۸ء میں، دوسرا ۱۸۹۲ء میں اور تیسرا جو میری نظر سے گزرا ہے ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا۔ اس ایڈیشن کے صفحات ۱۸۰ ہیں۔ سرورق پر درج ہے "از جناب ڈاکٹر پارس ناتھ چٹرجی ایل۔ ایم۔ ایس۔ اسسٹنٹ سرجن مقیم بانکی پور [illegible] پٹنہ۔ باہتمام مولوی محمد عبد الغفار، طبع شد۔ بار [illegible] ایک ہزار۔ قیمت فی جلد عہ محصول ڈاک ۴ مرتبہ"

(ب) "گنجینۂ علاج بالمثل" — اس کے [illegible] ہیں۔ سرورق پر درج ہے، ہومیوپیتھی معالجات [illegible] واضح بیان جس کو جناب ڈاکٹر پارس ناتھ چٹرجی اسسٹنٹ سرجن مقام بانکی پور نے اردو زبان [illegible] کیا اور خواجہ محمد خلیل الدین مالک مطبع کے اہتمام [illegible] قیصری واقع محلہ گوبند عطار پٹنہ میں چھپوایا۔ بار [illegible] جلدیں۔ قیمت فی جلد عہ محصول ڈاک ذمہ خریدار

اس تصنیف کا دیباچہ جو کہ خود مصنف کا ہے [illegible] کو لکھا گیا تھا۔ ان دو کتابوں کے مطالعہ سے [illegible] ہے کہ آپ نے اور کئی کتابیں بھی ہومیوپیتھی پر [illegible] شاید چھپ نہیں سکیں۔ مثلاً ایک تصنیف "علاج [illegible]" کے سلسلے میں دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "اگرچہ کتابیں [illegible] اور مختصر ہوتیں، تو اب تک چھپ گئی ہوتیں۔ خدائے عزوجل کی درگاہ میں تہ دل سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس فرض کے

ادا کرنے میں مدد دے تاکہ میں اس کام کو انجام دے کر بری الذمہ ہو جاؤں۔ علاج الامراض کے اب تک قریب ۳۲۸ صفحے تک چھپ چکے ہیں اور اس کے بعد کا مسودہ بھی تیار ہے۔ "تسہیل العلاج" کے ایک سو بانوے صفحے تک چھپے ہیں۔"

دیال چند شوم

بحیثیت ڈاکٹر کے آپ نے ہندوستان کے دور دراز مقامات کا سفر کیا۔ ڈاکٹر دیال چند ۱۸۳۲ء میں چچوڑا میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۵۹ء میں ایف۔ اے سے کامیابی کے بعد آپ کلکتہ میڈیکل کالج میں داخل ہوئے اور ۱۸۶۴ء میں ایم۔ ایل۔ ایس اور دوسرے سال ایم۔ بی کی ڈگری لی۔

ملازمت کا آغاز کلکتہ میڈیکل کالج کے زنانہ وارڈ کی ہاؤس سرجنی سے ہوا۔ اور بالآخر ۱۸۶۷ء میں وطن سے دور کنگس ہسپتال لکھنؤ کے بڑے ڈاکٹر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد آگرہ میڈیکل سکول میں سرجری کے پروفیسر بنائے گئے۔ ڈاکٹری میں آپ نے وہ شہرت پائی کہ آپ کئی راجہ مہاراجہ کے فیملی ڈاکٹر بنے مثلاً مہارانی نیپال کی بیماری کا آپ نے کامیاب علاج کیا جو عرصے سے بیمار تھیں۔ ۱۸۸۸ء میں آپ بڑے لاٹ صاحب کے نائب سرجن مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر شوم نے اردو میں کئی طبی کتابوں کا ترجمہ بھی کرایا۔ آپ عرصہ ۱۲ سال تک Vernacular Medical Text Book Committee کے ممبر رہے اور آپ نے ہمیشہ زور دیا کہ دیسی زبانوں میں طبی کتابیں چھاپی جائیں تاکہ طلبہ کو آسانی ہو۔ آگرہ میڈیکل کالج کے طلبہ کے لئے آپ کلاس میں جو لکچر اردو میں دیتے تھے۔ ان لکچروں کو آپ نے کتابی شکل میں شایع بھی کیا تھا۔ یہ تصنیف ایک عرصے تک آگرہ میڈیکل کالج میں پڑھائی جاتی رہی ہے۔

شاما چرن دت

شاما چرن دت اُن بنگالیوں میں سے ہیں جو انیسویں صدی کے ابتدائی دور میں آگرہ میں جا بسے تھے۔ ۱۸۳۹ء میں آپ الہ آباد کے سرکاری ہسپتال کے انچارج تھے۔ آپ نے اُردو میں چند طبی کتابیں لکھیں، اور چند کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا۔ آپ کی تصانیف میں سے ایک کا نام "فارماکوپیا یعنی قرابادین" ہے یہ انگریزی کتاب London Pharmacopoeia کا اُردو ترجمہ ہے۔ اس کے صفحات تقریباً تین سو ہیں۔ اس کا پہلا ایڈیشن کلکتہ سے ۱۸۴۰ء میں اور دوسرا ۱۸۴۵ء میں شائع ہوا۔ یہ تصنیف انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم میں موجود ہے۔

نوبین چندر چکرورتی

"صحیفۂ زریں"[۱] میں درج ہے۔ "آپ کا سلسلۂ نسب قوم برہمن بنگالی برہمنوں کے قدیم خاندان سے ملتا ہے۔ آپ کے پردادا پنچارام چکرورتی تعلقدار اور نامی تاجر تھے... آپ کے والد گوری کنتھ چکرورتی اپنی حذاقت کی وجہ سے نہایت مشہور، مقبول اور ہر دلعزیز تھے۔ آپ کے چچا برج ناتھ چکرورتی رانی پتیا کے دیوان تھے۔"

نوبین چند چکرورتی ۱۹ر نومبر ۱۸۴۳ء میں پیدا ہوئے، ۱۱ر اپریل ۱۸۶۶ء میں کلکتہ میڈیکل کالج سے ایل، ایم، ایس کا امتحان پاس کیا۔ یکم جولائی ۱۸۶۶ء سے ان کی ملازمت کا آغاز ہوا اور صرف چار ماہ بعد بنگال سے باہر پہلے نینی تال گئے اور اس کے بعد دسمبر ۱۸۶۶ء بلند شہر کے ہسپتال میں ملازم ہوئے۔ ۱۸۶۷ء میں بلند شہر سے تبادلہ ہو کر آپ متھرا کے سول سرجن بنے۔ اگست ۱۸۷۳ء میں آگرہ میڈیکل میں اسکول کے سرجری کے لکچرر اور ٹامسن ہسپتال کے سپرنٹنڈنٹ مقرر کئے گئے۔ آپ آگرہ میڈیکل اسکول کے لکچرر کے عہدے پر ۲۸ سال تک رہے اور ۱۹۰۳ء میں ریٹائر ہوئے۔

بحیثیت ڈاکٹر آپ اپنے زمانے کے مشہور ڈاکٹر تھے ہندوستان کے کئی راجہ، مہاراجہ اور نواب مثلاً مہاراجہ جے پور، رانا دھول پور نہال سنگھ، بیگم بھوپال، راجہ آب گڑھ، نواب رام پور، راجہ آب گڑھ اور راجہ کشن گڑھ وغیرہ کے آپ فیملی ڈاکٹر تھے۔

آپ انگریزی، فارسی، بنگلہ، اُردو اور ہندی زبانوں سے بخوبی واقف تھے۔ آگرہ میڈیکل اسکول کی مدرسی کے زمانے میں آپ نے اُردو میں علم طب پر ایک نہایت جامع و مفید کتاب تصنیف کی، جس کا نام "کلیات علم طب" ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۸۹ء میں آگرہ سے شایع ہوا۔ اس ایڈیشن کے صفحات ایک ہزار دو سو کے قریب ہیں۔ اس کتاب کا آپ نے ہندی میں بھی ترجمہ کیا۔ آپ آگرہ کے بنگالی ادبی انجمن اور لائبریری کے صدر بھی تھے۔ جنوری ۱۸۹۸ء میں حکومت سے آپ کو رائے بہادر کا خطاب ملا۔ پنشن کے بعد آپ نے آگرہ میں اپنا مطب قائم کیا تھا۔ بنگلہ سنہ ۱۳۱۹ یعنی ۱۹۱۲ء میں آپ کا انتقال آپ کے کلکتہ کے مکان میں ہوا۔

[۱] دیکھئے "صحیفۂ زریں" از ہنگ نارائن بہار گرو، نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۰۱ء

جذباتی یکجہتی کے لئے مختلف ہندستانی زبانوں کی تعلیم کی ضرورت

ڈاکٹر گوپال ریڈی، مرکزی وزیر اطلاعات نے آندھرا ساہتیہ اکیڈیمی کی سالانہ تقریب کی صدارت کرتے ہوئے ریاستی حکومتوں سے کہا کہ مختلف ہندستانی زبانوں میں ربط پیدا کرنے اور انھیں ایک دوسرے کے قریب لانے کے سلسلے میں ریاستی حکومتوں کو اگر معمول سے ہٹ کر بھی کچھ کرنا پڑے تو انھیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس طرح ملک میں جذباتی یکجہتی پیدا ہوتی ہے۔

انھوں نے کہا کہ ہر ریاست میں بڑی تعداد میں ایسے اسکول کھولے جانے چاہئیں جن میں مختلف ہندوستانی زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہو تاکہ ان میں یکسانیت پیدا ہو سکے۔ ہندوستان کی زبانیں صرف تو لحاظ سے مختلف ہونے کے باوجود ایک ہی ہندوستانی کلچر سے تعلق رکھتی ہیں اور ان میں ایک ہی روح پائی جاتی ہے۔

ہندی کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس کے لئے کسی پروپیگنڈے کی ضرورت نہیں ہے۔ طلبہ کو تو ہندی کی تعلیم حاصل کرنی ہو گی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ دوسری ہندوستانی زبانوں کے عالم پیدا ہونے چاہئیں کیوں کہ بغیر اس کے ملک میں جذباتی یکجہتی نہیں پیدا ہو سکتی۔

بیرونی زبانوں کی تعلیم پر زور دیتے ہوئے ڈاکٹر گوپال ریڈی نے کہا کہ بیرونی زبانوں کی تعلیم کے علاوہ لوگوں کو اپنے ملک کی مختلف زبانوں کو سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس طرح سے انھیں اپنی ہمسایہ ریاست کے رہنے والے لوگوں کے سمجھنے میں آسانی ہو گی لیکن یہ بات باہمی بنیاد پر ہونی چاہیئے۔

ڈاکٹر گوپال ریڈی نے ہندوستانی کلچر کو ایک ہار سے تشبیہ دی اور کہا کہ جس طرح مختلف رنگ اور خوشبو کے پھولوں سے ہار تیار ہوتا ہے اسی طرح ہندوستانی کلچر بھی مختلف زبانوں سے مل کر ایک ہار کی شکل میں وجود میں آیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر مختلف صوبوں کے ادیبوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر دیا جائے تاکہ وہ ایک دوسرے کو سمجھ سکیں تو ہندوستان کی زبانوں میں اتحاد اور یکجہتی صحیح معنوں میں پیدا ہو سکے گی۔

رام پور میں آزاد انسٹی ٹیوٹ کا قیام

رام پور میں مولانا ابوالکلام کے نام پر ایک ادارہ کا قیام عمل میں آیا ہے جس میں مولانا پر ریسرچ کے علاوہ علوم مشرقیہ پر ماہرین کے لیکچروں کا انتظام بھی کیا گیا ہے عربی، فارسی اور اردو میں تحقیقی کام کا ایک الگ پروگرام ہے جس میں رام پور کے محقق حصہ لیں گے۔ علاوہ ازیں سب سے زیادہ مفید کام، جس کا آغاز دوسرے پروگراموں کے ساتھ ساتھ پہلی مارچ سے ہو رہا ہے وہ فارسی، عربی، اردو اور اسلامک اسٹڈیز میں ایم اے کی (پرائیوٹ) تعلیم شروع ہو جائے گی۔ رام پور میں پوسٹ گریجویٹ کالج نہ ہونے کے سبب اکثر تعلیم کے خواہشمندوں کی تعلیم بھی منقطع ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک ... یہ کمی دور ہو جائے گی اور اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ گورنمنٹ اس انسٹی ٹیوٹ کو پوسٹ گریجویٹ کالج کی حیثیت سے تسلیم کرے۔

نمائش کلب حیدرآباد

کل ہند صنعتی نمائش حیدرآباد میں ۲ر فروری ۶۳ء کو رات کے نو بجے نمائش کلب کے زیر اہتمام سالانہ مشاعرہ ریاستی وزیر اطلاعات و تعلقات عامہ جناب پی. وی. نرسمہا راؤ کی صدارت میں منعقد ہوا۔

وزیر اطلاعات نے صدارتی تقریر میں کہا کہ چین کے جارحانہ حملے نے ہمارے ادب کو بھی جھنجھوڑ دیا ہے اور قومی یکجہتی کے ساتھ ساتھ ادبی انقلاب کا دروازہ بھی اب ہندستان میں کھل گیا ہے۔ ہندوستان کے لئے جنگی ادب ایک نئی چیز ہے۔ پہلی اور دوسری جنگ کے موقع پر یورپ اور امریکہ میں جنگ اور دفاع کے موضوع پر نہایت اعلیٰ درجے کا ادب اور فلمیں تخلیق کی گئیں، لیکن ہمارا ملک ان جنگوں سے جذباتی طور پر زیادہ متاثر نہیں ہوا چین کے حملے نے ہمارے ادب کا رخ بھی موڑ دیا ہے اور ہمارے ادیب و شاعر ملک میں ایک نئی لہر کو دوڑانے میں بے شک قابل فخر رول انجام دے رہے ہیں۔ (و، خ)

ہم نے شمشیر اٹھائی ہے صداقت کے لئے
امن و تہذیب و شرافت کی حفاظت کے لئے
سر بکف آج ہیں ہم ہند کی عزت کے لئے
(درویش صدیقی)

یونسکو کے زیر اہتمام ادبی مقابلہ

وزارت تعلیم کی ایک اطلاع کے مطابق یونسکو کے زیر اہتمام ایک ادبی مقابلے کا اعلان کیا گیا ہے، جس میں تعلیم بالغان کے سلسلے کی صرف وہ کتابیں پیش کی جا سکیں گی جو سنہ ۱۹۶۱ء سنہ ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی ہیں۔ یہ اس سلسلے کا تیسرا مقابلہ ہے، جس میں دس کتابوں کو ۱۰۰۰ روپے انعام دئے جائیں گے۔ اردو کے لئے ایک، بنگلہ کے لئے دو، تامل کے لئے تین، اور ہندی کے لئے چار انعام مقرر کئے گئے ہیں۔

اس سلسلے کی مزید معلومات "اسپیشل افیسر (لٹریچر) ویسٹ ڈبلو ۲ وزارت تعلیم، نئی دہلی" سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

ضروری اعلان: براہ مہربانی خط کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔
منیجر

مراسلات

مرزا قتیل کی طرف ایک نظر

مرزا محمد حسن قتیل متوفی ۱۲۳۳ھ اپنے زمانے میں فارسی کے مستند ماہر شاعر اور انشا پرداز مانے جاتے تھے اور عزت و عظمت کے بہت اونچے درجے پر فائز تھے۔ ایسے ذی علم لوگ کثیر تعداد میں موجود تھے جو ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ ان کی کئی کتابوں کو فارسی کا ہر طالب علم سبقاً سبقاً پڑھتا تھا۔ لیکن جب فارسی کی طرف لوگوں کی توجہ کم ہو چلی تھی اُس زمانے میں مرزا غالبؔ اس شدت اور اتنی تکرار سے قتیل کی ناقابلیت کا ڈھنڈورا پیٹا کہ وہ التفات کے قابل ہی نہ رہے۔ مگر قتیل کی علمی و ادبی خدمتوں کو نظر انداز کرنا ان کے ساتھ زمانے کی بڑی ناانصافی ہوگی۔ ضرورت ہے کہ ادبی تحقیق کا کوئی مرد میدان قتیل کے کارناموں کو اپنی تحقیق کا موضوع بنائے۔ قتیل کا دیوان اور دوسری تصنیفیں، چار شربت، نہر الفصاحت، شجرۃ الامانی، ہفت تماشا، دریائے لطافت[1] وغیرہ ابھی دستیاب ہو سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے کثیر التعداد خطوط کے متعدد قلمی اور مطبوعہ مجموعے[2] موجود ہیں جو ان کے حالاتِ زندگی اور مشاغل ادبی کے معتبر ماخذ ہیں۔ اس کے علاوہ قتیل کے خطوط ادبی، صرفی، نحوی، عروضی معلومات اور ان کے عہد کے تاریخی، معاشی اور معاشرتی حالات کا خزانہ ہیں۔ ان خطوط کا ایک جامع مجموعہ مستند متن، مبسوط مقدمے اور تفصیلی اشاریے کے ساتھ مرتب کرنا ایک بہت مفید علمی خدمت ہوگی۔

اُردو تو مرزا قتیل کی مادری زبان ہی تھی، وہ عربی اور ترکی میں بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ ان کے متعدد خطوط ان تینوں زبانوں میں بھی موجود ہیں۔ قتیل کے ایک ذی علم شاگرد خواجہ امامی نے ان کے خطوں کا جو مجموعہ معدن الفوائد کے نام سے مرتب کیا تھا اس کے مقدمے میں صنعت براعۃ الاستہلال کے طور پر حمد عربی میں، نعت ترکی میں، منقبت فارسی میں اور مدح اصحاب اُردو میں لکھی ہے۔ معدن الفوائد کے علاوہ خطوط قتیل کے چند مجموعوں کے نام یہ ہیں، ثمرات البدائع، رقعات قتیل، [illegible] الانشا اور چند قلمی مجموعے ایسے بھی موجود ہیں جن کے نام معلوم نہیں۔

آج سے کوئی تینتیس ۳۳ برس پہلے ۱۹۲۹ء میں قتیل کے ایک ہم وطن سید اسد علی انوری فرید آبادی نے قتیل پر غالب کے حملوں کے جواب میں ایک دلچسپ کتاب کافی تحقیق اور وسیع مطالعے کے بعد قتیل اور غالب کے نام سے شائع کی تھی۔ قتیل پر تحقیقی کام کرنے والے کو اس کتاب سے بھی مدد مل سکتی ہے۔

(سید مسعود حسن رضوی ادیب)

[1] دریائے لطافت کا حصہ اول انشا کی تصنیف ہے اور نصف آخر جس میں منطق، عروض و قافیہ، بیان و بدیع سے بحث کی گئی ہے، قتیل کی تصنیف ہے۔
[2] قتیل کے خطوط کے آٹھ قلمی اور دو مطبوعہ مجموعے میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔

راجستھان کے اُردو دوستوں سے

حکومت راجستھان یہ حکم جاری کر چکی ہے کہ پہلے درجے سے پانچویں تک بچے کو اس کی مادری زبان کے ذریعہ تعلیم دی جائے گی۔ (ملاحظہ ہو چٹھی حکومت راجستھان نمبر F.11(42)EDU/B/59 مورخہ [illegible] اور پریس نوٹ مورخہ [illegible] ۲۰) اور محکمہ تعلیم بھی [illegible] فارم داخلہ جاری کر چکا ہے جس میں سرپرست کو ذریعہ تعلیم درج کرنا ہوگا اور ایک سرٹیفکیٹ [illegible] ہوگا۔ لہٰذا اگر آپ کے بچے کی مادری زبان اُردو ہے تو ان دونوں میں اُردو ہی درج کرائیے ورنہ بچوں کو اردو سے [illegible] اسکول میں پڑھایا جائے گا۔ ۱۹۶۲-۶۳ء کے سیشن سے ان کلاسوں میں سندھی، گجراتی، سنسکرت اور اردو میں سے کوئی ایک زبان پڑھنا لازمی ہے (ملاحظہ ہو سرکلر ایجوکیشن بورڈ راجستھان نمبری 15774 مورخہ [illegible]) اور اس صورت میں اگر بچہ شروع سے اردو پڑھتا ہوا نہ گیا تو نویں اور دسویں کی اردو کس طرح پڑھ سکے گا اور اُردو ذریعہ امتحان بنانے میں کس طرح کامیاب ہوگا۔

یہ خیال بالکل غلط اور سراسر دھوکہ ہے کہ جب پہلے درجے سے ہندی نہیں پڑھے گا تو ہندی میں کمزور رہ جائیگا۔ اس لئے کہ تیسرے درجے سے اُردو کے جملہ مضامین کے ساتھ ہندی بھی پڑھنا لازمی ہے (ملاحظہ ہو جملہ ریاست ہائے ہندوستان کے وزرائے تعلیم کی متفقہ تجویز بابت اگست ۱۹۴۹ء یادداشت [illegible] حکومت ہند بابت [illegible] اور پریس نوٹ حکومت راجستھان [illegible] نمبر [illegible] مورخہ ۱۳) اس طرح پانچویں کلاس تک بچہ ہندی میں کمزور نہیں رہ سکتا۔ امید کہ آپ اپنے بچے کا مستقبل شاندار بنانے کی غرض سے اس ضروری امر پر پوری توجہ کریں گے۔ (اختر [illegible] جنرل سکریٹری)

رسالہ "آفتاب" جھالاواڑ (راجستھان)

اخبار ہماری زبان مورخہ ۱۵ر اور ۲۲ر جنوری ۱۹۶۳ء میں جناب نادم سیتاپوری کا ایک مضمون "ماہنامۂ آفتاب" کے زیر عنوان شایع ہوا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ رسالہ کا نام آغا شاعر دہلوی نے اپنے صاحبزادے کے نام پر تجویز کیا تھا نیز وہ انہی کی ملک تھا جبکہ اس کا نام آغا شاعر قزلباش کے دخل سے کم و بیش ایک قرن پہلے والی ریاست جھالاواڑ کے ذریعے عالم وجود میں آچکا تھا۔ نیز اپنے پہلے اور دوسرے دور میں یہ کلیتہً ریاست ہی کی ملک تھا۔ اس کے سارے اخراجات بھی وہی برداشت کرتی تھی۔ اور طباعت کا انتظام ریاست کے سرکاری مطبع سے متعلق تھا۔ اس زمانے میں آغا صاحب تو بحیثیت ملازم سرکار ادارت کے فرائض انجام دیتے تھے، جس کی دیکھ ریکھ مولوی عبدالوحید نیرنگ کاکوروی کے ذمے تھی کہ وہ اُردو کا کام کرنے کے لئے خصوصیت کے ساتھ ریاست میں بلوائے گئے تھے۔

جھالاواڑ نریش مہاراج رانا سر بھوانی سنگھ راجہ چھترسال کے فرزند رشید ۱۷ر فروری ۱۸۹۹ء کو گدی پر بیٹھے۔ یہ بڑے علم دوست اور ادب پرست واقع ہوئے تھے۔ انگریزی، فارسی، عربی، سنسکرت، ہندی اور اُردو کے علماء و فضلاء ان کے دربار کی زینت تھے۔ روزانہ صبح دس بجے تک یہ سب حاضر دربار رہتے اور مختلف علمی و ادبی موضوعات پر گفتگو کی گرم بازاری رہتی مگر باایں ہمہ ریاست کی توجہات خصوصی اُردو پر مرکوز تھیں۔ اُس کی دلی خواہش و آرزو تھی کہ اس زبان کو عروج و ترقی دینے کے ذرایع پیدا کئے جائیں۔ پنڈت پرمانند چترویدی اس عہد میں دیوانِ ریاست تھے اور وہ بھی بالطبع اُردو نواز اور اس کے دل سے بہی خواہ تھے۔ ہمہ وقت مہاراجہ کے اشارہ و منشا کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوشاں رہا کرتے تھے۔ چناں چہ بحکم والیِ ریاست انھوں نے ۱۹۰۱ء میں مولوی عبدالوحید نیرنگ کاکوروی کو ریاست میں "طلب کیا" اور اُردو کے جملہ ادبی کاموں کی باگ ڈور اُن کے حوالے کر دی نیز جھالاواڑ کے رہنے والے دلدادگانِ زبان و ادب ان کے شریک کار بنے جن میں سے سید محمد حسین رضوی بی۔ اے، ماسٹر شیام بہاری لال بی۔ اے، سید مصطفےٰ حسین رضوی بی۔ اے، بابو شمن لال بھاٹیا، شادی لال، پنڈت دھنی رام شرما، منشی شمبھو دیال 'دانش'، سید حامد حسین رضوی (علیگ) مولوی محمد عثمان خاں خائفؔ تلمیذ کیف ٹونکی، مولوی وحیدالدین خاں حیف تلمیذ امیناؔئی خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا مادی کام آج بھی موجود ہے۔

مولوی عبدالوحید نیرنگ کاکوروی خود ایک تجربہ کار اور منجھے ہوئے اہلِ قلم تھے اور پھر ایسے قابلِ قدر ماحول میں ان کو کام کرنے کا موقع ملا۔ اقتصادی امداد سے ریاست نے نوازا پھر کیا تھا دن دونی رات چوگنی ترقی رو نما ہونے لگی۔ اُردو کی ایک وسیع لائبریری کا قیام عمل میں لایا گیا۔ دور دور سے اہم کتابیں منگوا کر اس کو زینت بخشی گئی۔ ماہانہ مشاعروں کا باضابطہ انعقاد شروع کیا گیا۔ مہاراجہ نے بھی اُردو شاعری پر خصوصی دھیان دینے کا حکم نافذ فرمایا، نیز شاعری کو نیچرل رنگ پر لانے اور زندگی سے قریب تر بنانے کے لئے مختلف اوقات میں بذات خود لکچر دیے اور ان پر عمل کرنے کے لئے بطور خاص تاکید کی نتیجتہً عاشقانہ خیالات کے بجائے سائنٹفک اور وقت کے تقاضے پر مشتمل منظومات سے مشاعرے گونج اُٹھے۔ "شاعری کی کایا پلٹ" نام ایک سہ ماہی رسالہ ان منظومات کی نشر و اشاعت کے لئے جاری کیا گیا جس میں تین ماہ کی تخلیقات مجتمع کر کے ارباب ذوق تک پہنچاتے رہنے کی پابندی کرنا ایڈیٹر رسالہ سید مصطفےٰ حسین رضوی بی۔ اے۔ سپرنٹنڈنٹ ریونیو ڈیپارٹمنٹ کا اولین فرض تھا۔

مذکورالصدر ادبی و لسانی چہل پہل اور جدو جہد کے سلسلے ہی میں ۱۹۰۶ء میں جھالاواڑ نریش نے "ماہنامۂ آفتاب"[1] کے جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ سید محمد حسین رضوی بی۔ اے کو اس کا ایڈیٹر مقرر کیا، نیز سب ایڈیٹری کے فرائض پنڈت پرشوتم لال شرما کے ذمے رکھے۔ پس انہی ہر دو حضرات کی مساعیٔ جمیلہ کے تحت اس رسالے کی تین جلدیں پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ چوتھی جلد کے ابتدائی شمارے ہی ابھی نکل پائے تھے کہ یکایک ایڈیٹر کی موت واقع ہو گئی۔ جس نے چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا دیا مگر مہاراجہ کو ہمہ وقت اس کے دوبارہ زندہ کرنے کی فکر دامن گیر رہی بالآخر اسی اثنا میں آغا شاعر قزلباش جھالاواڑ پہنچ گئے اور جنوری ۱۹۱۲ء سے رسالے کا اجراء بارِ ثانی ان کی زیر ادارت عمل میں لے آیا گیا۔ "شاعری کی کایا پلٹ" کے مدیر اپنے رسالے کے ایک شمارے میں اس واقعے کو بہ الفاظ ذیل منضبط کرتے ہیں:-

> "زبانِ اُردو کو بلحاظ زبان رائج الوقت و دیگر ممالک کے لئے ضروری خیال فرما کر ہمارے آقائے نامدار حضور مہاراج بھوانی سنگھ صاحب بہادر ایم۔ آر۔ اے۔ ایس والیٔ ریاست جھالاواڑ نے جو علوم و فنون کے مخزن ہیں اور دنیا کی کئی زندہ زبانوں کے ماہر ہیں، جہاں دفاتر میں ناگری حرفوں کے رواج کا حکم نافذ فرمایا وہاں ساتھ ہی ساتھ بقائے اُردو کے لئے زیر ایڈیٹری سید محمد حسین رضوی بی۔ اے مرحوم ایک رسالہ موسومہ "آفتاب" ریاست کے

---

[1] اس نام کو تجویز کرتے وقت راجپوتوں کے مشہور خاندان سورج بنسیوں کی رعایت خاص طور پیش نظر تھی۔ (مولف)

سے نکالے جانے کا حکم بھی نافذ فرمایا۔ یہی آفتاب جو سابق ایڈیٹر کی ناگہانی موت کے باعث صرف تین چار سال ہی اپنی شعاعیں پھیلا کر ایک لخت غروب ہو گیا تھا[1]۔ اب شروع جنوری ۱۹۱۰ء سے زیر ایڈیٹری افسر الشعرا جناب آغا شاعر قزلباش دہلوی پھر بنہایت آب و تاب سے طلوع ہوا ہے[2] اور زبان کی جو خدمت کر چکا ہے اور کر رہا ہے اہل ملک سے پوشیدہ نہیں۔ اس دلدادۂ علوم[3] نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ اکتوبر ۱۹۱۰ء سے انجمن سخن کی بنیاد ڈالی اور اس طرح اردو کی بقا کے لئے ہمیشہ ہمیش کو انتظام فرما کر جو احسان شعرائے ہند پر کیا ہے اس کا شکریہ اگر ہمارے بال بال زبان ہو جائیں جب بھی ادا نہیں کیا جا سکتا۔"

رسالۂ آفتاب اپنے پہلے ہی دور میں کافی مقبولیت حاصل کر چکا تھا۔ ملک کے ذمہ دار ارباب ادب کے پاس اس کو بھیجا جاتا اور وہ جی کھول کر اس کو خراج تحسین دیتے ایڈیٹر کے پاس اس قسم کی ڈاک کا ایک تانتا بندھا رہتا تھا۔ منجملہ ان کے ذیل میں صرف تین خطوں کے اقتباس پیش کئے جاتے ہیں جن میں اس وقت کے بلند مرتبہ مسلم الثبوت اہل قلم نے رسالے کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی دکن سے رقمطراز ہیں:۔

"مکرمی۔ رسالۂ آفتاب کے دو نمبر پہنچے۔ ان کو دیکھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ اس کو پڑھ کر انتہا مسرت حاصل ہوئی کیونکہ ہمارے رئیسوں کا اس طرف متوجہ ہو جانا اور ایسی لیاقت سے علمی مضامین لکھنا ہندستان کے بھلے دن آنے کی دلیل ہے۔ بابو اسپالال کا مضمون تعلیم پر اور آپ کا مضمون تعصب پر بھی بہت عمدہ مضمون ہیں۔ خدا سے امید ہے کہ آفتاب فلک میں چمکے گا۔ دل سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کامیاب ہوں اور آفتاب کی روشنی تمام راجپوتانے میں پھیلے۔ ۱۰ر اپریل ۱۹۰۶ء حیدرآباد دکن۔"

دوسرا مکتوب ایڈیٹر کے نام شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ خاں دہلوی کا ہے جو بہ الفاظ ذیل رسالے کو سراہتے ہیں:۔

"میں آپ کے محبت نامے اور دو رسالوں کے عنایت کرنے کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آفتاب والی ریاست جھالاواڑ کی نظر التفات رہی تو وہ اقلیم سخن میں ایسا ہی درخشاں ہوگا جیسا کہ ہندستان میں سورج جنسی کا خاندان تاباں ہوا تھا۔ ۲۶ر اپریل ۱۹۰۶ء"

اسی طرح ناظر مہتمم بندوبست کشمیر و وزیر لداخ چودھری خوشی محمد خاں اپنے ایک خط میں تحریر کرتے ہیں:۔

"آفتاب کا رسالہ مجھے بہت پسند ہے۔ اس میں بہت سے بیش قیمت اور مفید عام مضامین شائع ہوتے ہیں جو صرف لٹریری طرازی نہیں بلکہ معلومات مفید کے اعتبار سے بہت قابل قدر ہیں اور طلبا کے لئے بھی نہایت مفید ہیں۔ غزلیات کی نسبت جو سادہ نیچرل نظموں کا سلسلہ آپ نے ایجاد کیا ہے نہایت مفید ہے۔ غزلیات سے طوفان بے تمیزی سے لٹریچر کی کوئی خدمت متصور نہیں۔"

مذکور الصدر اقتباسات "جائزۂ زبان اردو" مرتبہ مولوی عبدالحق اور شائع کردہ انجمن ترقی اردو سے نقل کئے گئے ہیں۔ ان سے رسالے کی اہمیت اور اپنے پہلے دور (۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۶ء تک) میں مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے نو عمر ہوتے ہوئے اس نے بزرگان ادب کو اپنی طرف ملتفت کر لیا تھا۔ اس عہد میں رسالے کا بیرون ہند پہنچنا بھی پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے جس کی کھلی ہوئی وجہ یہ تھی کہ مہاراجہ کا حلقۂ احباب اندرون ہند کی طرح بیرون ہند بھی پھیلا ہوا تھا۔ جہاں جہاں ان سے متعارف ہندوستانی یا اردو نواز غیر ہندستانی موجود ہوتے وہاں پرچہ ضرور بھجوایا جاتا چنانچہ اس طریقۂ کار سے باہر کے لوگ بھی پرچے سے بخوبی واقف تھے اور مضامین کے لحاظ سے اس کی وقعت کرتے تھے۔ تیسرے دور میں بھی یہی بنیادی استحکام آغا شاعر قزلباش کے لئے یقیناً ممد و معاون ثابت ہوا ہوگا۔

محولہ مضمون میں "آفتاب کا دفتر قلعۂ جھالرا پاٹن" میں بتایا گیا ہے جبکہ معتبر دیرینہ و جدید کتب میں اس مقام کا نام "جھالرا پاٹن" مرقوم ہے۔ جو "جھالرا" نام ایک چشمے کے نام پر مشہور تھا۔ پہلے یہ مقام ریاست کوٹہ میں شامل تھا۔ ۱۸۳۸ء میں راجپوتوں کے "جھالا" خاندان کی نسبت سے جھالاواڑ نام علیحدہ ریاست کا جب وجود عمل میں آیا تو بلحاظ محل وقوع و آبادی اسی مقام کو راجدھانی بنانے کی عزت دی گئی۔ ۱۹۰۳ء اور ۱۹۱۰ء کے رسائل "پیام یار لکھنؤ" میں اس جگہ کے بعض شاعر و شاعرات کا کلام بھی پیش نظر ہے۔ ان کے پتوں میں بھی مقام کا نام "جھالرا پاٹن" لکھا ہوا ہے۔ نیز صاحب مضمون نے بھی آگے چل کر یہ نام بتایا ہے۔ ایسی صورت میں نہیں کہا جا سکتا کہ "جھالرا پاٹن" نام مرقومہ مضمون کہاں سے لیا گیا ہے۔ (قاضی سراج دھولپوری)

---

[1] سید محمد حسین رضوی کی زیر ادارت تین جلدیں پوری ہو چکی تھیں اور چوتھی جلد شروع ہو گئی تھی چنانچہ "شاعری کا پلیٹ" کے ایڈیٹر نے تین چار سال لکھا ہے۔ اس کا ۱۹۱۰ء تک عالم وجود میں رہنا پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ [2] جناب نادم سیتاپوری نے رسالے کے دوسرے دور کا آغاز مارچ ۱۹۰۶ء سے بتایا ہے جو اس بیان توضیح اور مقامی شہادت سے مسترد ہو جاتا ہے۔ [3] مراد اس سے جھالاواڑ نریش ہیں۔